اجتماعی اجتہاد میں مقاصد شریعت اور قواعد کلیہ کا کردار

ڈاکٹر محمد اکرم رانا*

Abstract :

It is an established fact that the role of Ijtihad in the past Muslim societies has been crucial. In the present scenario of global world, the importance of this source of law cannot be denied. It has been observed that the process of globalization has affected the individual and social aspects of the lives of the Muslims. The paper after tracing the history and development of Ijtihad describes its role offered by Shatibi. He has offered some objective which may be considered in the making of Ijtahad. The paper thus advocates that legal maxims and objectives of Shariah offered by Shatibi .be taken into consideration for the development of collective Ijtihad.

اجتہاد کا مفہوم:

لغوی طور پر اجتہاد کا مفہوم ہے ''کسی بات میں انتہائی جدو جہد کرنا'' اور اصطلاحی طور پر شرعی احکام کی معرفت حاصل کرنے یا جزئیات پر ان کو منطبق کرنے میں خالی الذھن ہو کر غور و فکر کی انتہائی طاقت صرف کرنا اجتہاد کہلاتا ہے۔(۱)

اجتہاد کا ایک محتاط مفہوم یہ بھی ہے کہ قرآن کی کسی نص یا ماضی کی کسی نظیر کو جس کے اندر ایک قانون موجود ہو، سمجھنے کی کوشش کرنا اور اُس کے اندر موجود قانون کو وسیع کرتے ہوئے یا محدود کرتے ہوئے یا کسی دوسری طرح سے اس میں ردوبدل کرتے ہوئے اس طرح سے تبدیل کرنا کہ ایک نئی صورتحال ایک نئے حل کے ذریعے اس کے دائرے میں سماجائے۔ (۲)

اجتہاد، قرآن وحدیث کے بعد اسلامی قانون کا اہم ترین ماخذ ہے۔ بدلتی ہوئی زندگی اور ترقی پذیر معاشرے کی رہنمائی کا واحد ذریعہ ہے اور ہدایت الٰہی کی تکمیل کا اہم باب ہے۔ اس بنا پر رسول اللہ ﷺ نے بنفس نفیس اس کا دروازہ کھولا اور بے شمار مواقع پر اجتہاد کر کے اس کے نشیب و فراز سے واقف کرادیا، تاکہ بعد کے لوگوں کے لئے اور باتوں کی طرح اس میں بھی آپ ﷺ کی زندگی نمونہ ثابت ہو۔ لیکن وحی الٰہی سے آپ ﷺ کا تعلق

---

* پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

قائم ہونے اور براہ راست رہنمائی کی وجہ سے آپ کے اجتہاد میں غلطی کا احتمال باقی نہیں رہتا تھا۔

اجتماعی اجتہاد کا مفہوم:

پیش آمدہ مسائل پر غور وفکر کرنا اور اُن کا شرعی حل دریافت کرنا جب کسی منظّم یا اجتماعی تحریک کی بدولت ہوگا وہ اجتماعی اجتہاد یا ادارتی اجتہاد کہلائے گا۔

قرآن حکیم سے اجتہاد کا ثبوت:

ہم صرف ایک آیت پر اکتفا کریں گے۔ ارشاد ربانی ہے:

فلو لا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهو ا فی الدین

کیوں نہ ایسا کیا گیا کہ مومنوں کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکل آئی ہوتی جو دین میں فہم وبصیرت حاصل کرتی۔ (۳)

حدیث مبارکہ سے اجتہاد کا ثبوت:

یہاں بھی مشہور حدیث کا سہارا لیا جائے گا:

معاذ بن جبل کو جب یمن کا حاکم بنا کر بھیجا جا رہا تھا تو ان سے پوچھا گیا کہ اے معاذ! جب کوئی فیصلہ (مقدمہ) تمہارے پاس آئے تو تم کیسے فیصلہ کرو گے۔ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ پوچھا گیا! اگر اللہ کی کتاب میں نہ ہو تو! کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ فرمایا! اگر رسول اللہ کی سنت میں نہ ہو تو؟ کہا کہ اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کروں گا۔ (۴)

اس بات کو رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف پسند فرمایا بلکہ دعا دی اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر یہ کہا اے اللہ تو نے اپنے رسول ﷺ کے رسول کو جس چیز کی توفیق دی ہے اس سے اللہ کا رسول خوش ہے۔

اگر اجتہاد کی اجازت نہ دی جاتی تو سب لوگوں کو صرف قرآن وحدیث پر اعتماد کرنا پڑتا۔ قرآنی نصوص محدود ہیں جبکہ مسائل لامحدود ہیں اس طرح مسائل حل کرنے کے لئے اجتہاد کا اصول ہاتھ آ گیا۔ (۵)

معلوم ہوا کہ اگر قرآن وحدیث میں صراحتاً حکم موجود نظر نہ آئے تو اجتہاد کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ابتداءً اجتہاد رائے کے ذریعہ ہوتا تھا کیونکہ معاذ بن جبل کے الفاظ تھے ''اجتہد برائی'' میں اپنی رائے سے

اجتہاد کروں گا۔

اسی رائے نے بعد میں قیاس کا لفظ اختیار کرلیا کیونکہ رائے پر اعتراض ہونے لگا کہ یہ تو مادر پدر آزادی کا دوسرا نام ہے۔اس طرح رائے کی جگہ قیاس نے اختیار کی۔اس کے لئے استدلال اور استطباق کے لفظ بھی استعمال ہونے لگے۔اگر جمہور فقہاء اور قانون کے ماہرین متفق ہوں تو یہی اجتہاد،اجماع کہلانے لگتا ہے۔مگر جو قیاس کی قسم بن کر اصطلاح استعمال ہوئی وہ استحسان کہلائی۔احناف نے قانون سازی میں اس سے مدد لی،امام الشافعی نے اس اصطلاح کے خلاف ''ابطال الاستحسان'' کے نام سے کتاب الأم میں ایک آرٹیکل لکھا اور الرسالہ میں بحث کی یوں استحسان کو پسند نہ کیا۔مگر احناف نے اس کو تقویت بخشی۔

استحسان ایسی اصطلاح ہے کہ اس سے عوامی مفاد کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ڈاکٹر حمید اللہ خوبصورت مثال کے ذریعے اسے واضح کرتے ہیں کہ آج کل ہمارے ڈاکخانوں سے منی آرڈر بھیجا جاتا ہے۔ڈاک خانے میں جو رقم ادا کی جاتی ہے امانت کا اصول ہے وہی رقم ادا کی جائے لیکن ایسا ممکن نہیں لہٰذا دوسری رقم اسے ادا کردی جاتی ہے۔اس طرح رقم ادا ہو جاتی ہے اور امانت کا حق بھی ادا ہو جاتا ہے یہی استحسان ہے۔ (۶)

میکڈونلڈ استصلاح کو بھی استحسان کی قسم سمجھتے ہیں۔

"He finds no difference between the two terms istihsan and istislah."(۷)

> حضور اکرم ﷺ نے اجتہاد کر کے صحابہ کرام اور بعد کی نسلوں کو اجتہاد کی مشروعیت بتلائی اور امت کو یہ رہنمائی فرمائی کہ قرآن وسنت میں حکم کی دلیل نہ ملنے کی صورت میں ان کے لئے اجتہاد سے کام لینا لازم ہے۔غالباً اس بات کو پختہ اور ذہنوں میں راسخ کرنے کے لئے نبی اکرم ﷺ بعض مسائل میں اپنے سامنے اجتہاد کرنے کا حکم فرماتے، پھر درست جواب دینے والے کی تصویب فرماتے اور خطا کرنے والی کی غلطی پر متنبہ فرماتے۔ارشاد فرمایا: اذا حکم الحاکم فاجتھد ثم اصاب فلہ اجران واذا حکم فاجتھد ثم اخطاء فلہ اجر حاکم نے جب اجتہاد سے فیصلہ کیا اور درست کیا تو اس کے دو اجر ملتے ہیں اور غلط کیا تو ایک اجر ملتا ہے۔

اجتہاد کی اہمیت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اس مکتوب سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے ابوموسیٰ اشعری کو لکھا کہ جن معاملات میں قرآن وسنت کی کوئی ہدایت موجود نہیں ہے اور وہ تمہارے دل میں کھٹکتے ہیں ان

کے بارے میں خوب غور وفکر اور سمجھ بوجھ سے کام لو۔ایسے نئے مسائل حل کرنے میں تم پہلے قرآن وسنت میں موجود ملتے جلتے مسائل اور اصولوں سے واقفیت حاصل کرو اور نئے مسائل پر ان کو قیاس کرلو۔اس کے بعد جو حل تمہاری رائے میں اللہ کی مرضی سے قریب تر اور حق سے زیادہ مشابہ معلوم ہو اسے اختیار کرلو۔ (۸)

اسی بات کو مدار بنا کر امام شافعی نے رائے کی تشریح اجتہاد سے کی ہے اور اجتہاد کی تشریح قیاس سے کی ہے اور فرمایا ہے ''اجتہاد اور قیاس ایک ہی معنی کے دو نام ہیں''۔ (۹)

صحابہ کرامؓ کے اجتہادات:

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے دور میں بے شمار اجتہادات کئے مثلاً مانعین زکوٰۃ کے خلاف قتال کا حکم دیا۔ عورتوں کی طرح مردوں سے نکاح کرنے والوں کو جلا دینے کا حکم دیا۔وغیرہ۔

آپ غیر منصوص واقعات میں پوری وسعت کے ساتھ قیاس کو اختیار کرتے تھے اور اجماع کو شعار بناتے۔ (۱۰)

حضرت عمر فاروقؓ کے اجتہادات:

عہد فاروقی میں اجتہاد کی بنیاد جن اصولوں پر تھی ان میں درج ذیل نمایاں ہیں:

1۔ مشقت اور تنگی کو دور کیا جاتا۔

2۔ دو چیزوں کے درمیان جو بات آسان ہوتی اسے اختیار کیا جاتا۔

3۔ مصلحت کے ذریعے حکم کی تعلیم کی جاتی۔

4۔ سدّ ذرائع کا اصول اختیار کیا جاتا۔

5۔ دفع مفاسد کے اصول پر کاربند ہوتے۔

6۔ بعض احکامات پر علت نہ پائے جانے، یا بعض شرائط کے مفقود ہونے کی وجہ سے (خاص واقعات وحالات میں) عمل در آمد روک دیا جاتا۔

آپ کے اجتہادات میں حضرت ابوبکرؓ کی امامت پر خلافت کو قیاس کرنا۔سواد کی اراضی کا تمام مسلمانوں کی مصلحت کی خاطر وقف کرنا، چوری کی سزا پر حکم موقوف کرنا، مؤلفۃ القلوب کے حصے کو روکنا، جلاوطنی کی سزا کو ترک کرنا، امہات الاولاد کی فروخت کا خاتمہ کرنا۔تدوین قرآن پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو آمادہ کرنا،شراب کی سزا ۸۰ کوڑے

مقرر کرنا، ایک مجلس کی طلاق کو تین طلاقیں قرار دینا نہایت اہم ہیں۔(۱۱) ان اجتہادات کو اولیات عمرؓ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت عثمان غنیؓ کے اجتہادات:

تعداد فتاوی کے اعتبار سے حضرت عثمان غنیؓ متوسط صحابہ میں شمار ہوتے ہیں انہوں نے شیخین کے اجتہادات کو جاری رکھا۔تاہم موسم حج میں منیٰ میں بجائے دو رکعت قصر پڑھنے کے چار رکعت پڑھی۔(انہوں نے کیونکہ مکہ میں نکاح کیا تھا اس لئے منیٰ کو مکہ کی حدود میں خیال کرتے ہوئے شاید ایسا کیا)۔آپ کا سب سے بڑا اجتہاد امت مسلمہ کو قرآن مجید کی ایک قرآت پر اتباع کے حوالے سے ہے۔ جس کی بنا پر آپ جامع القرآن کہلائے۔تاہم مولانا شبلی نعمانی کو آپ کو جامع القرآن کہنے پر اعتراض ہے ان کے نزدیک حضرت ابوبکرؓ جامع القرآن تھے۔وہ کہتے ہیں یہ عجیب بات ہے کہ حضرت عثمانؓ کا نام جامع القرآن مشہور ہو گیا ہے حالانکہ ان کو قرآن مجید کے جمع و ترتیب میں کوئی دخل نہیں۔انہوں نے جو کچھ کیا وہ صرف یہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کے نسخہ کی چند نقلیں کرائیں اور مختلف صوبوں میں بھیج دیں کہ ان کے موافق قرآن پڑھا جائے۔اتنا البتہ کیا کہ اُس وقت تک قرآن مجید مختلف قرآتوں میں پڑھا جاتا تھا حضرت عثمان نے قرآت مشہورہ کے موافق لکھوا کر باقی قرآتوں کو یا چاک کر دیا یا جلا ڈالا۔ (۱۲)

حضرت علیؓ کے اجتہادات:

حضرت علیؓ اپنے دور کے مجتہد اعظم تھے قرآن کے حوالے سے ان کا قول بڑا مشہور ہے ''مجھے ہر آیت کے بارے میں معلوم ہے کہ کس بارے میں نازل ہوئی اور کن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی، اور کہاں نازل ہوئی''۔ (۱۳)

حضرت علیؓ اجتہاد میں مقاصد شریعت کو مدنظر رکھتے ہوئے قیاس، استصحاب حال، استحسان اور استسلام سے کام لیتے۔شرابی کی سزا ۸۰ کوڑے مقرر کرنا ایک جماعت کے قتل میں پوری جماعت کا قتل کرنا، جن لوگوں نے آپ کو معبود کہا ان کو اصول استحسان کی بدولت زندہ جلانا آپ کی اجتہادی کوششوں کی چند مثالیں ہیں۔(۱۴)

دیگر صحابہؓ کے فتاوی و اجتہادی فیصلے بھی کتاب، حدیث اور اجماع و قیاس کی بدولت عمل میں آئے امام الحرمین جوینی کہتے ہیں ''صحابہ کرامؓ تقریباً ایک صدی تک مسائل میں قیاس کرتے رہے واقعات آئے دن پیش آتے اور یہ حضرات ان واقعات کے بارے میں احکام شرعیہ کی تحقیق کرتے اور پیش آمدہ مسائل پر ''کفیما اتفق''

اور اصول وقواعد کی رعایت کے بغیر احکام جاری نہیں کرتے تھے۔(۱۵)

تابعین اور فقہاء کے اجتہادات:

تابعین کا دور تقریباً 100 ھ کے بعد شروع ہوتا ہے اگرچہ اکثر تابعین جو فقہ وفتوی کی صلاحیت رکھتے تھے موالی یعنی آزاد کردہ غلام تھے جن میں عبید اللہ نخعی کا قول ہے کہ نئے واقعات جو میرے سامنے آتے ہیں انہیں میں سنے ہوئے احکام پر قیاس کر لیتا ہوں۔(۱۶) تابعین اور تبع تابعین میں سے بے شمار حضرات نے اجتہادات کئے اور لوگوں میں مقبول ہوئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی یہ رائے ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نے اپنے اپنے پیشرو تابعین کے اقوال پر عمل کیا اور شاذ ونادر ہی انکی آراء سے تجاوز کیا۔(۱۷) لیکن طہ جابر العلوانی کہتے ہیں ''شاہ ولی اللہ کی اس بات سے اتفاق کرنا مشکل ہے''۔ امام مالکؒ کا عمل اہل مدینہ کو اختیار کرنے کا اصول، امام ابوحنیفہؒ کا استحسان اور عرف کے اصول کو اختیار فرمانا اور قبولیت حدیث کے لئے چند شرائط لگانا ثابت کرتا ہے کہ ان کی آراء اپنے پیشروں سے مختلف تھیں۔(۱۸)

ان دو مدارس کی بدولت دو قسم کے سکول سامنے آ گئے ایک اہل الرائے (Hanafis, Iraqis, Kufians) اور دوسرے اہل حدیث، (Traditionists, Hijazis, Malikis) کہلائے۔ اہل الرائے پر جن مسائل میں مخالفت کی سخت قدغن لگائی گئی ہے ان مسائل میں ان کا عذر یہ ہے کہ یا تو انہیں حدیث پہنچی نہیں یا راوی ضعیف تھا اس لئے حدیث پر اعتماد نہیں کیا گیا یا کوئی دوسری حدیث معارض موجود اور ثابت تھی۔ تاہم اہل الحدیث، اہل الرائے کے ساتھ اس بات پر متفق تھے کہ جہاں نص موجود نہ ہو وہاں قیاس (رائے) کا سہارا بہت ضروری ہے۔

امام شافعیؒ:

ان دو مسالک کے مابین ایک تیسری رائے امام شافعی کی داخل ہوئی۔ انہوں نے محسوس کیا کہ اہل حدیث منقطع پر عمل کرتے ہیں اور حدیث مرسل پر مطلقاً عمل کرتے ہیں انہوں نے دیکھا کہ امام مالکؒ بعض اوقات صحیح احادیث کو ترک کر کے کسی صحابی یا کسی تابعی یا اپنا قیاس اختیار کرتے ہیں۔ بہت سے مسائل میں وہ اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ وہ مسئلہ مختلف فیہ ہوتا ہے اور اکثر اہل مدینہ کے اجماع کو بھی حجت مانتے ہیں اس پر انہوں نے استنباط فقہی کے اصول جمع کئے۔ قواعد کی شیرازہ بندی کی فقہ کو قواعد فقہیہ سے عملی تطبیق کا نام دیا عموم وخصوص کی۔

پہچان پیدا کی۔ اصول فقہ پر ایک الرسالہ لکھ کر نئی فقہ تیار کی اس طرح آپ اہل الرائے اور اہل الحدیث سے ممتاز ہو گئے۔ تاہم تمام یورپینز آپ کو Champion of Hadith کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔(۱۹)

شاطبی اور اجتہاد:

اصول فقہ کی کتابوں میں اجتہاد کے حوالے سے جو مباحث ملتے ہیں ان میں اہل اصول اجتہاد کی تعریف کرتے ہیں۔ اس کی شرائط اور اقسام کی وضاحت کرتے ہیں کن مسائل میں اجتہاد جائز ہے یا کن میں اجتہاد جائز نہیں۔ شاطبی پہلے اصولی ہیں جنہوں نے اجتہاد کو فکری عمل کا نام دیا اور کہا کہ یہ دوستونوں پر قائم ہے۔(۲۰)

1۔ عربی زبان کے قواعد اور اسالیب تعبیر کی مکمل معرفت حاصل کرنا۔

2۔ شارع کے مقاصد کی معرفت حاصل کرنا۔

شاطبی نے مقاصد شریعت پر تفصیل سے گفتگو کی لیکن ان مقاصد کو پیچھے دھکیل دیا گیا اور ان سے کام نہ لیا گیا۔ ہماری رائے میں ضروری ہے کہ ایک بار پھر مقاصد شریعت سے واقفیت حاصل کی جائے، مقاصد شریعت پر تحقیقات کو ترقی دی جائے اور قواعد وضوابط وضع کئے جائیں۔

رسول اللہؐ، صحابہ کرامؓ، تابعین، فقہاء کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اجتہادات کئے اور لوگوں کو رہنمائی فراہم کی اسی راستے پر چلتے ہوئے فقہاء نے اس باب میں اتنا کام کیا کہ بعض کے نزدیک اجتہاد کی ضرورت ہی باقی نہ رہی اور اس کا دروازہ بند کر دیا گیا؟

کیا اجتہاد کا دروازہ بند ہے؟

زندگی اور اس کے مسائل ہر دم ترقی کی طرف رو بہ جانب ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے اجتہاد کو Principle of Movement کہا ہے اور یہ امر ہر انسان پر واضح ہے کہ نئے نئے مسائل کا پیش آنا ناگزیر ہے ایسے میں اجتہاد کا دروازہ کیسے بند ہو سکتا ہے؟ اجتہاد کوئی (خدانخواستہ) نبوت تو نہیں جو بحکم الٰہی اپنے کمال کو پہنچ کر ختم ہو جائے۔ یہ تو مسائل کو سلجھانے اور حل کرنے کا ایک طریقہ ہے جو قیامت تک جاری رہے گا۔

دراصل ہوا یوں کہ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے علمائے مذاہب اربعہ نے اس زمانے کے احوال کے پیش نظر یہ ضروی سمجھا کہ اجتہاد کی اہمیت کے لئے جن اعلیٰ صفات، شرعی بصیرت اور رسوخ علمی کی ضرورت تھی اب علماء میں اس کا فقدان ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی عوامی شعور میں بھی انحطاط ہو گیا تھا جس سے وہ اہل اجتہاد اور

نااہل میں تمیز نہ کر سکتے تھے۔علماء نے یہ خطرہ محسوس کیا کہ مبادا جاہل اور ہواپرست لوگ مسند اجتہاد کوسجانے لگیں اور اسلامی فقہ کی عظیم عمارت کونقصان پہنچے۔لہٰذاانہوں نے پیش بندی کے طور پر کہا کہ اس ضمن میں جتنا کام اب تک ہو چکا ہے فی الحال وہی کافی ہے۔ظاہر ہے کہ ان حضرات کا یہ مقصد نہ تھا کہ اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا جائے۔نہ انہوں نے ایسا کیا اور نہ انہیں ایسا کرنے کا اختیار تھا۔دوسری وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جب ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کیا اور علمی ذخیرہ تباہ کیا تو اجتہاد موقوف کر دیا گیا۔

ہندوستان میں انگریزوں کے اقتدار کے بعد مسلمانوں کومشکل ترین حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ بے شمار مسائل پر توجہ نہ دینے کی وجہ سے سماج میں شدید اضطراب پیدا ہوا ایسے نازک حالات میں علماء کرام نے اجتہاد کی مسند سنبھالنے کا فیصلہ کیا۔اوراس کے حق میں آراء بلند ہونے لگیں۔اس طرح بے شمار مسائل کے حل کی جانب ایک قدم اٹھانے کا فیصلہ کرلیا گیا۔

اسلام ایک زندہ مذہب ہے اس نے ہر دور کے تقاضوں کا ساتھ دینا ہے ورنہ تو مستشرقین کا یہ الزام ثابت ہو جائے گا کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو جامد اور غیر متحرک ہے یہ جدید دور کے تقاضوں سے نبرد آزما ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ان کے بقول مسلمان ہر کام کرسکتا ہے مگر ترقی نہیں جمال الدین افغانی نے اس سلسلہ میں بہت کام کیا اور کہا کہ یہ بات غلط ہے ہمارے بے شمار علماء اور جید سکالرز الحمدللہ وقت کی رفتار سمجھتے ہیں وہ نبض شناس ہیں۔ انہوں نے بے شمار مسائل پر قلم اٹھایا ہے۔وہ قرآن وسنت کے دائرہ میں رہتے ہوئے کچھ مسائل کو حل کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں کہیں درمیانہ رائے اختیار کی ہے اور کہیں مزید پیش رفت کی ضرورت ہے۔میری رائے ہے کہ اگر مقاصد ضروریہ، مصلحت عامہ، ضروریات، حاجات، وقت اور حالات کی عایت Principle of Movement جیسے اصولوں اور قواعد فقہیہ کو معیار بنالیا گیا تو ہم کامیاب ہو جائیں گے۔موجودہ دور میں اردن، انڈونیشا، پاکستان، تیونس،الجزائر،سعودی عرب، لبنان،مصر،موریطانیہ، نائجیریا اور ہندوستان کے علماء متحرک ہیں انہوں نے بے شمار عصری مسائل پر فتاوی دیئے ہیں جس سے تحقیق کے دروازہ کو کھلا رکھنے میں بہت حد تک مدد مل رہی ہے۔ہم کچھ مسائل کے حل کی طرف یہاں ذکر کریں گے۔ جہاں اجتہاد ہوا ہے یا ہوسکتا ہے یا مزید کچھ کیا جا سکتا ہے۔ یہ صرف مثالیں ہیں ورنہ مقصود فی الذات نہیں ہیں۔لیکن یہاں اتنا ذکر کر دینا ضروری ہے کہ آج کے مسائل کے حل میں اجتماعی اور ادارتی اجتہاد (Collective and Institutionalized Ijtihad) کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔مسلم معاشرے اجتماعی مسائل کو حل کرنے میں اب بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ان میں سود اور

انشورنس کے علاوہ جدید ٹیکنالوجی کی ترقی کے نتیجہ میں سامنے آنے والے مسائل کا سامنا ہے جن میں ٹیسٹ ٹیوب بے بی، کلوننگ اور اعضاء کی فروخت چند مثالیں ہیں۔ اسی طرح معاشی میدان میں اسلامی بنکاری، کاغذی زر کی شرعی حیثیت، آزاد مارکیٹ اور عالمی تناظر میں تہذیبوں کی کش مکش کے نظریہ، مغرب کے لائف اسٹائل اور امت مسلمہ اور عالمگیریت جیسے مسائل پر قلم اٹھانا ازحد ضروری ہے۔ سیاسی طور پر نظام خلافت اور دارالاسلام اور دارالحرب کے تصور پر کام کرنا امت مسلمہ پر فرض ہے۔

موجودہ دور کے اجتہادات:

1۔ انشورنس اور اس کی مختلف حالتیں:

انشورنس (بیمہ) ایک مختلف فیہ مسئلہ بن چکا ہے اگرچہ بے شمار فقہاء، علماء، سکالرز اسے جائز تصور نہیں کرتے۔ انہوں نے اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے اسے استصلاحاً، اباحتاً، اور ضرورتاً تسلیم نہیں کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس میں بیع غرر، قمار اور سود کا شائبہ ہے۔ اس کے مقابلہ میں کچھ علماء اسے جائز تسلیم کر لیتے ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر مصطفیٰ الزرقاء اس سلسلے میں کہتے ہیں کہ "جہاں کہیں انشورنس کمپنیاں ایسی شرائط عائد کرتی ہیں جنہیں اسلامی شریعت تسلیم نہیں کرتی اور استحصال ہوتا ہے تو وہاں لوگوں کی بنیادی ضرورت کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ اس کا علاج کیا جائے نہ کہ انشورنس کو حرام ہی کر دیا جائے"۔ (۲۱)

2۔ ضبط تولید:

علماء کی متفقہ رائے ہے کہ انفرادی حالات میں اگر یقینی ضرر کا خطرہ ہو مثلاً کسی عورت کا معتاد طریقہ پر (Normal Delivery) ولادت نہیں ہو رہی اور آپریشن ہی کے ذریعہ بچہ کو نکالنا ممکن ہو تو استقرار حمل کو روکنے یا اسے مؤخر کرنے والے اسباب اختیار کرنا جائز ہے اس طرح اگر ماں کی جان کو یقینی خطرہ ہو تو ایسی صورت میں منع حمل کی تدبیر اختیار کرنا ہی متعین ہو جاتا ہے یہ تو وہیں اضطراری حالات، لیکن "فاعتبروا یا اولی الابصار" کی آیت کو مدار بنا کر اس کی اجازت بھی دی جا سکتی ہے بے شمار علماء اس بات کے قائل بھی ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ مصلحت کس چیز میں ہے۔

3۔ رویت ہلال میں وحدت:

اسلام دین فطرت ہے چاند کے سلسلہ میں دو حسابات ہیں۔

۱۔ فلکیاتی حساب

۲۔ بصری حساب

اکثر علماء بصری حساب کو ترجیح دیتے ہیں وہ اختلافات مطالع کو احادیث کی روشنی میں نافذ کرتے ہیں ان کے خیال میں عالم اسلام میں ایک ہی دن عیداور رویت میں وحدت کی دعوت کی ضرورت نہیں ہے اور یہ کہ عید میں اتحاد سے مسلمانوں کے اندر اتحاد پیدا نہیں ہوسکتا ثبوت روایت کا مسئلہ اسلامی ممالک کے دارالافتاء اور دارالقضاء حل کر سکتے ہیں اور یہی عمومی مصلحت ہے اس سلسلہ میں وہ ان لوگوں کے دلائل کو تسلیم نہیں کرتے جو وحدت رویت کے قائل ہیں۔

اس سلسلہ میں اگر چہ واضح احادیث اختلاف مطالع کی دعوت دیتی ہیں تاہم تھوڑا سا غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ان دنوں ایک شہر سے دوسرے شہر جانا ایک ہی رات میں ممکن نہ تھا۔اگر ممکن تھا تو ضرورت محسوس نہ کی جاتی تھی۔اور ہر شہر کا ایک رویت کے حوالے سے زاویہ نگاہ شرعی ثبوت یعنی چاند دیکھنے پر تھا۔اب یہ طے ہے کہ پورے ملک میں عید ایک ہو گی یعنی ہندوستان کی اگر مثال لیں تو پنجاب اور بنگال میں ایک ہی دن عید ہوگی۔

پاکستان میں کراچی اور پشاور میں ایک ہی دن عید ہوگی چاہے مطلع مختلف ہی کیوں نہ ہو۔آج دنیا Global Village بن چکی ہے شاید ایک ہی دن وقت کا اعتبار کرتے ہوئے پوری دنیا میں عید منائی جانے لگے۔وقت کا انتظار ہے علم اور آراء آگے بڑھتی رہتی ہیں۔اجتہاد کا عمل رک نہیں سکتا۔

4۔ ٹیسٹ ٹیوب بے بی:

اولاد حاصل کرنے کے لئے مصنوعی بارآوری کے کئی طریقے ہیں۔

۱۔ اندرونی بارآوری کا طریقہ۔مرد کے نطفہ کو عورت کے اندر مناسب مقام پر انجیکٹ (Inject) کر دیا جائے۔

2۔ بیرونی بارآوری۔مرد کے نطفہ اور عورت کے انڈے کو ایک ٹیسٹ ٹیوب میں رکھ کر طبی لیبارٹری میں بارآوری کی جائے پھر اس بارآور انڈے کو عورت کے رحم میں ڈال دیا جائے۔

3۔ اس کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ بارآوری کے بعد اسے نطفہ والے مرد کی دوسری بیوی کے اندر داخل کر دیا جائے جو اپنی سوکن کے بچہ کے لئے رضا کارانہ حمل کے لئے تیار ہو۔

تاہم مختلف احتیاطی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہیں مثلاً

1۔ بے پردگی سے بچا جائے۔ معالج مسلم خاتون ہو۔ ورنہ غیر مسلم، وہ نہ ہوں تو قابل اعتماد مسلم ڈاکٹر، انتہائی مجبوری میں غیر مسلم ڈاکٹر تاہم معالج اور زیر علاج خاتون کے درمیان شوہر یا اور عورت موجود رہے۔

مصنوعی بار آوری یا ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی اگرچہ اور بھی شکلیں موجود ہیں لیکن انہیں فقہائے اسلام غیر پسندیدہ اور شرعی اصولوں کے خلاف سمجھتے ہیں۔

مذکورہ بالا طریقوں میں دوسرے طریقہ میں بھی انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ جب یہ کام کثرت سے ہونے لگے گا اور عام ہو جائے گا تو انتہائی سخت احتیاطی تدابیر کی ضرورت ہوگی۔

تیسری قسم پر اگرچہ علماء نے موافق میں رائے اختیار کی ہے لیکن علامہ شیخ محمد رشید قبانی نے تیسری صورت میں جواز کا حکم دینے سے توقف کیا ہے۔

5۔ قواعد فقہیہ:

اجتہاد کی آبیاری کے لئے فقہاء نے خوبصورت اصول تحریر کئے ہیں ان میں اصولوں کی بنیاد پر قانون سازی میں کافی مدد ملتی ہے اگرچہ فقہاء کے نزدیک یہ اصول بذات خود ماخذ قانون نہیں ہیں تاہم یہ قانون کی طرف ایسا راستہ دکھاتے ہیں کہ اجتہاد کی راہیں خود بخود کھل جاتی ہے مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ایسے 100 اصولوں کی تفصیل مرتب کی گئی ہے اور ابن نجیم نے اپنی الاشباہ والنظائر میں بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

یہاں ہم ایک اصول کا ذکر کرتے ہیں جس کے تحت موجودہ علماء اعضاء کی پیوندکاری کو درست قرار دیتے ہیں۔ یہ بات اپنی جگہ درست معلوم ہوتی ہے کہ اجتماعی اجتہاد کے لئے قواعد کلیہ اور مقاصد شریعت سے رہنمائی لی جا رہی ہے لیکن باقاعدہ ایک منظّم کام کرنا باقی ہے۔ مثال ملاحظہ ہو۔

اصول:

کسی نقصان کے ازالہ کے لئے اسی جیسے یا اس سے بڑے نقصان کو گوارا نہیں کیا جائے گا اور چونکہ ایسی صورت میں عضو کی پیش کش اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہوگا جو شرعاً ناجائز ہے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی، رابطہ عالم اسلامی کے مطابق کسی زندہ انسان کے جسم سے کوئی عضو لینا اور اسے دوسرے انسان کے جسم میں لگا دینا جو اس کا ضرورت مند ہو اپنی زندگی بچانے کے لئے یا اپنے بنیادی اعضاء کے عمل میں کسی عمل کو واپس لانے کے لئے جائز عمل ہے جو عضو دینے والے کی نسبت سے کرامت انسانی کے منافی نہیں ہے۔

(۲۲)

معلوم ہوتا ہے کہ عصر حاضر کی تحقیقات تیز رفتاری کے ساتھ اس جانب قدم بڑھا رہی ہیں کہ موجودہ زندگی کے تمام گوشوں کے سلسلے میں اسلام کا حکم ایسے انداز سے بیان کر دیا جائے کہ علم وآگہی کی ہر شاخ کے بارے میں دین اسلام کے مخصوص نظریات کی وضاحت ہو سکے۔

اس سلسلے میں ایک اہم کام یہ ہے کہ تمام فقہی قواعد کو جمع کر کے انہیں اس انداز سے کام میں لایا جائے کہ ان کی روشنی میں پوری اسلامی شریعت کی سطح پر عمومی نظریات وضع کئے جاسکیں۔اسی طرح شریعت کی ہر قسم اور ہر باب کی سطح پر بھی نظریہ سازی ہو سکے۔(۲۳)

ہمارے علماء نے بحیثیت مجموعی تین قسم کی صورتوں میں اجتہاد کی ضرورت کا ذکر کیا ہے۔

1۔ موقع ومحل کے تعین میں اجتہاد

2۔ نئے مسائل کی تحقیق کے لئے اجتہاد

3۔ حکم اور مسئلہ کی صورت میں تو موجود ہے لیکن اس میں لوگوں کو مشقت پیش آتی ہے یا اس کا اصل مقصود فوت ہو چکا ہے اس لئے اجتہاد کے ذریعہ اس میں سہولت پیدا کرنا یا اس کو مفید بنانا۔

ہماری نظر میں اجتہاد نئے مسائل کی تحقیق اور لوگوں کی مشقت دور کرنے کے لئے جاری رہنا چاہئے نیز ضرورت اس امر کی ہے کہ اجتہاد ان بنیادوں پر ہونا چاہئے کہ امت مسلمہ کو درپیش جدید مسائل کا حل دریافت کیا جائے۔اس کی کئی صورتیں ہیں۔

1۔ قرآن وسنت یا اجماع سے جو صریحی احکام ثابت ہیں ان کے الفاظ ومعانی میں غور کیا جائے اور فقہاء کے بیان کردہ طریقوں اقتضاء،اشارہ،کنایہ وغیرہ کے تحت حکم دریافت کیا جائے۔

2۔ نئے مسئلہ کے نظائر اور اس کے مشابہ احکام جو کہ حل شدہ ہیں ان میں علت نکالی جائے اور اس کی نوعیت و کیفیت پر غور کیا جائے پھر نئے مسئلہ کی علت دیکھی جائے اگر نئے اور پرانے دونوں کی علت میں اتحاد ہے تو پہلے کا حکم اس نئے مسئلہ پر بھی نافذ کر دیا جائے۔یہی طریقہ فقہاء کا رہا ہے۔

3۔ نظائر اور مشابہ احکام نہ ملنے کی صورت میں مقاصد شریعت ضرورت اور مصلحت کو مقررہ اصول کے مطابق بنا کر نئے مسئلہ کا حل دریافت کیا جائے اس بارے میں شریعت کی جو مقررہ حدود ہیں ان کی پوری رعایت کرنے کے بعد ہی جواز یا عدم جواز کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

4۔ اصول وکلیات کے ذریعے استصلاح واستدلال وغیرہ کے جو طریقے فقہا نے بیان کئے ہیں اس کے ذریعے حل دریافت کیا جائے۔

غرض نئے مسائل کا حل ناممکن نہیں ہے۔ فقہائے کرام نے اتنا سرمایہ جمع کر دیا ہے کہ اس کے ذریعہ فقہ ہمیشہ ضروریات زندگی کا ساتھ دے سکتی ہے۔ البتہ اس کے لئے محنت وسیع القلبی اور ادارتی اجتہادی صلاحیت کی ضرورت ہے اور اگر وقت کے اہم مسائل حل نہ کئے گئے تو ہوا و ہوس کا غلبہ ہوگا اور دین وشریعت کا صرف نام باقی رہے گا۔ (۲۴) جیسا کہ عیسائیت کے خلاف آج کل امریکہ اور سپین میں ہو رہا ہے۔

موجودہ دور میں اجتہاد کو جاری رکھنے کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی صحابہ کرامؓ یا تابعین کے دور میں تھی حالانکہ وہ وقت تو آنحضورؐ سے بہت قربت کا دور تھا ابن خلدون کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو۔

''جب ہم نے صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین کے قرآن وسنت سے استدلال کے طریقوں پر غور کیا تو دیکھا کہ وہ نئے مسائل کو ان کے ہم مثل ومشابہ مسائل پر قیاس کرتے ہیں۔ نبی اکرمؐ کے بعد کتنے ہی واقعات ایسے پیش آئے جو ثابت شدہ نصوص کے دائرے میں نہیں آتے تھے انہوں نے ایسی منصوص مسائل پر کچھ ایسی شرطوں کی بنیاد پر قیاس کیا جن سے دونوں طرح کے واقعات کا ہم مثل ومشابہ ہونا متعین ہو جاتا۔ (۲۵)

تابعین کے ہاں تین مصادر تھے کتاب اللہ، سنت رسول اللہؐ اور صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ۔ لیکن بعض حضرات ایسے تھے جو نص شرعی نہ ہونے کی صورت میں مصلحت شرعی کو بنیاد بنا کر حکم شرعی کا استنباط کرتے تھے۔ (۲۶)

امام ابوحنیفہ قرآن، حدیث، صحابہؓ کے فیصلوں کے بعد ایک واضح نہج رکھتے تھے۔ آپ قیاس کے باب میں کھل کر بحث ومباحثہ کرتے لیکن جب آپ دلیل استحسانی پیش کرتے تو سب شاگرد خاموش ہو جاتے۔ احناف نے عرف کا بھی اضافہ کیا عام کی قطعی دلالت پر زور دیا ایسی اخبار آحاد جو قرآن کے عموم کے خلاف ہوتیں رد کر دیتے کہ اخبار احاد ظنی ہیں۔

امام مالکؒ کا طرز عمل یہ تھا کہ اگر کوئی بات (حدیث) دین کے کسی معروف بنیادی قاعدہ سے متعارض ہوتی تو اسے رد کر دیتے بعد میں علمائے مالکیہ نے استحسان اور مصالح مرسلہ کا اضافہ کیا۔ فتح ذرائع اور سدّ ذرائع کا اصول، فقہ میں شامل کیا اور مقاصد کو بنیاد بنایا۔

شریعت کی بنیاد ضروریات، حاجیات اور تحسینیات تینوں درجوں کی حفاظت پر رکھی گئی ہے اور یہ تینوں وجوہات شریعت کے ابواب ودلائل میں بکھری ہوئی ہیں جس طرح کلیات (قرآن، سنت، اجماع، قیاس) کا اعتبار

کیا جاتا ہے اس طرح جزئیات کا لحاظ بھی ضروری ہے۔ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ "شریعت میں کوئی ایسی خبر نہیں آسکتی جو واقعہ کے خلاف ہو"۔اب دیکھا گیا ہے کہ قرآن کی رو سے شہد لوگوں کے لئے باعث شفا ہے لیکن اطباء نے یہ انکشاف بھی کیا ہے کہ بعض وجوہ سے اس میں کچھ ضرر بھی ہے۔اب شریعت کے قاعدہ کلیہ کو سامنے رکھ کر علماء نے یہ حکم لگایا کہ شہد اس شخص کے لئے مضر ہے جس پر صفرا غالب ہو لیکن جس کے اندر یہ مرض نہ ہو اس کے لئے شفا بدستور ہے۔(۲۷)

نصوص کی وضاحت یا ان کو مزید سمجھنا قواعد فقہیہ کا محتاج رہا ہے موجودہ دور میں ان کو بنیاد بنا کر اجتہاد کو وسعت دی جاسکتی ہے۔

یہاں چند قواعد فقہیہ کا ذکر ضروری ہے جن کو بنیاد بنا کر فقہاء نے قانون سازی کی اور اب بھی انہی اصولوں کو بنیاد بنانا ہوگا۔تاہم اکثر فقہاء اور اصولین کا یہ خیال ہے کہ یہ قواعد فقہیہ اصول الفقہ کی جگہ نہیں لے سکتے لیکن غور سے دیکھا جائے تو تمام فقہاء نے انہی اصولوں کی بنیاد پر قانون سازی کی یہ اصول کئی اقسام میں منقسم ہیں انہی کے ذریعے فقہ میں مراتب اجتہاد تک پہنچنے کی استعداد پیدا ہوتی ہے اور حقیقت میں یہ قواعد اصول فقہ بھی ہیں۔صرف نظریاتی حد تک کچھ فقہاء انہیں اصول الفقہ سے علیحدہ گردانتے ہیں بہرحال ان کی مختلف اقسام کتابوں میں بکھری پڑی ہیں۔

1۔ فن فروق: اس قسم میں باریک فرقوں اور موثر معانی کی وضاحت کی جاتی ہے۔

2۔ فن اشباہ و نظائر اس میں ایسے فروعی مسائل جن کے احکام باہم یکساں ہوتے ہیں انہیں ان قواعد کے تحت درج کیا جاتا ہے۔

3۔ الفروع علی الاصول: فقہی جزئیات وفروعات کا اصول وکلیات سے تعلق بیان کیا جاتا ہے نیز وہ اصول بیان کئے جاتے ہیں جو فقہاء کے مابین اختلافی مسائل کی بنیاد ہوتے ہیں۔

4۔ سلسلہ: مسائل کا ایک دوسرے پر مبنی ہونا سلسلہ کہلاتا ہے۔

5۔ مقاصد شریعت: یہ وہ اصول ہیں جن کا شارع نے قانون سازی میں اعتبار کیا ہے اور اجتہاد و قیاس کی بنیاد ہوتے ہیں۔

6۔ فقہی معمے: یہ وہ فقہی مسائل ہیں جن کے احکام کی علتوں کو قصداً پوشیدہ رکھا جاتا ہے تاکہ مخاطب کی فقہی بصیرت کو آزمایا جائے۔

7۔ فقہی حیلے: یہ ان لوگوں کے لئے جو کسی دینی امر میں مبتلا ہوں چھٹکارے کا ایک شرعی طریقہ ہے بعض لوگ اسے مخارج کہتے ہیں (نکلنے کے راستے)۔(۲۸)

ان کتب میں جو اصول بکھرے پڑے ہیں ان کی نوعیت اور موضوع کے اعتبار سے درج ذیل قسمیں نکلتی ہیں۔

i۔ اصولی قواعد ii۔ کلامی قواعد

iii۔ لغوی قواعد iv۔ فقہی قواعد

امام عزالدین عبدالسلام (۶۶۰ ھ) نے تمام فقہی قواعد وفروعات کو دو قاعدوں کی طرف لوٹایا ہے (۱) جلب منفعت (۲) دفع مضرت۔ مختلف علماء کی آراء کو اگر اکٹھا کر دیا جائے تو پانچ ایسے مقولے ہیں جن کو اصل قواعد قرار دیا گیا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

1۔ الیقین لا یزول بالشک: یقین شک سے زائل نہیں ہوتا

2۔ المشقة تجلب التیسیر: مشقت آسانی کو کھینچتی ہے

3۔ الضرر یزال: نقصان کو دور کیا جائے

4۔ العادة محکمة: عادت کے مطابق حکم لگایا جائے

5۔ الامور بمقاصدھا: اعمال کی حیثیت مقاصد کے اعتبار سے ہوگی

چند مزید قواعد کا تذکرہ بھی ذیل میں کیا جاتا ہے، یہ قواعد بے شمار اور مختلف اقسام سے متعلق ہیں۔

1۔ امور، درستگی اور اصلاح پر محمول ہونگے تاوقتیکہ اس کے خلاف ظاہر ہو جائے۔

2۔ سوال اور خطاب میں غالب مفہوم کا اعتبار ہوگا۔

3۔ اذابطل الخصوص بقی العموم: جب خصوص ختم ہو جائے تو عموم باقی رہتا ہے۔

4۔ درء المفاسد اولیٰ من جلب المصالح: دفع مضرت جلب منفعت پر مقدم ہے۔

5۔ ما اجتمع الحلال و الحرام الا و غالب الحرام: جب حلال وحرام دونوں جمع ہوں تو حرام کے اعتبار سے حکم ہوگا۔

6۔ القادر علی الیقین لا یعمل بالظن: جو یقین پر قادر ہو وہ ظن پر عمل نہیں کرے گا۔

7۔ ما ثبت بالشرع اولیٰ ما ثبت بالشرط: جو چیز شرع کی بنیاد پر ثابت ہو وہ اولیٰ ہے اس سے

جوشرط کی وجہ سے ثابت ہو۔

8۔ الرخص لا تناط بالمعاصی: شرعی رخصت معاصی میں حاصل نہیں ہوتی۔

9۔ اعمال الکلام اولیٰ من اھماله: کلام کو بامعنی بنانا اس کو لغو اور مہمل کر دینے سے اولیٰ ہے۔

10۔ الفرض افضل من النفل: فرض نفل سے افضل ہے۔

11۔ الواجب لا یترك الا بواجب: واجب دوسرے واجب ہی کی وجہ سے چھوڑا جا سکتا ہے۔

12۔ اذا تعارض الواجب و المحظور یقدم الواجب: جب واجب اور ممنوع میں تعارض ہو تو واجب کو مقدم کیا جائے گا۔

13۔ الاجتہاد لا ینقض بالاجتہاد: ایک اجتہاد دوسرے اجتہاد سے نہیں ٹوٹتا۔

14۔ حقوق اللّٰه تعالیٰ مبنیة علی المسامحة: اللہ تعالیٰ کے حقوق آسانی پر مبنی ہیں۔

15۔ الضرورات تبیح المحظورات: ضرورت ممنوعات کو مباح بنا دیتی ہے۔

16۔ الفرض لا یؤخذ علیه عوض: فرض پر اجرت نہیں لی جاتی۔

17۔ ما ثبت بیقین لا یرتفع الا بیقین: جو چیز یقین سے ثابت ہو وہ یقین سے ہی زائل ہو گی۔

18۔ الخراج بالضمان: نفع ذمہ داری کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

19۔ ایسا ظن جس کی غلطی واضح ہو اس کا اعتبار نہیں ہوتا۔

20۔ تابع تابع ہی رہتا ہے اصل نہیں ہو جاتا۔

21۔ ما کان اکثر فعلاً کان اکثر فضلاً: کام کی مقدار جتنی زیادہ ہو گی اس کی فضیلت بھی اس قدر ہو گی۔

22۔ الشبھة تسقط الکفارہ: شبہات کفارہ کو ساقط کر دیتے ہیں۔

23۔ الجزاء یسقط بالشبھة: سزا شبہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔

24۔ المبنی علی الفاسد فاسد: جو چیز فاسد پر مبنی ہے وہ خود بھی فاسد ہو گی۔

مذکورہ قواعد کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ موجودہ مصنفین نے ان کوششوں میں شرح و بسط کے حوالے سے اضافہ کیا ہے۔ استاد مصطفی احمد زرقاء اور شیخ محمد الحسین آل کاشف الغطاء نے کچھ نئے قواعد کا اضافہ بھی کیا ہے۔ (۲۹)

خلاصہ کلام:

جہاں تک تمام قواعد فقہیہ کے احاطہ کا تعلق ہے اس پر کام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ ہمارا ابھی تک یہ مسئلہ ہے کہ اجتہاد کا دروازہ کھل جانے کے باوجود، اجتہاد کا عمل موقوف نظر آتا ہے کیونکہ چند صدیوں تک اسلامی زندگی میں جمود آ جانے کی وجہ سے جو عملی وتہذیبی خلا پیدا ہو گیا تھا اسے پر کرنے کی تراکیب سمجھ میں نہیں آ رہیں۔ اس گھاٹی کو کس طرح پار کرنا ہے۔ اسلام کے زیر سایہ کس طرح زندگی گزارنی ہے اسلام کو چھوڑ کر مغرب کی تابعداری کرنی ہے یا مغرب کو مسترد کر کے اپنے آپ کو اسلام کے دروازے تک محدود رکھنا ہے یا پھر سائنسی اور تکنیکی مہارت حاصل کرنی ہے اور اسلام کے علمی سرمایہ کی حفاظت کرنی ہے اور مصالح کا خیال رکھنا ہے۔ ان سوالوں کا جواب طے کرنا ہو گا۔

اس سلسلہ میں میرے رائے میں مقاصد الشریعۃ ترقی کا زینہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ شاطبی کی موافقات کو سامنے رکھنا چاہئے اور حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں جن اصولوں کا خیال رکھا تھا جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے ان کو بنیاد بنانا ہو گا۔ استحسان، مصالح، ضرورت، عرف، قواعد فقہیہ، حالات و واقعات کی رعایت کے ساتھ اجتہاد کو ایک قدم اور اٹھانا ہو گا۔

علامہ اقبال کے فلسفہ اجتہاد یعنی Principle of Movement کو بھی جگہ دینی ہو گی۔ اب یہ ساری بحثیں ختم ہو جانی چاہئیں کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہے یا کھلا، اجتہاد کی ضرورت ہے یا نہیں، اجتہاد کی صلاحیت لوگوں میں پائی جاتی ہے یا نہیں، علماء اور فقہاء اور سکالرز کو احساس کرنا چاہئے اور تمام کوششوں کو منظّم کرنا چاہئے، یہی اجتماعی اجتہاد ہے۔ مختلف فقہ اکیڈیمی (ہندوستان، سعودی عرب، پاکستان، مصر) اپنی نوعیت کی بہترین خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔ تاہم انہیں آگے قدم بڑھانے میں ہچکچانا نہیں چاہئے۔ ہم نے صدیوں کے فاصلے اب سالوں میں طے کرنے ہیں۔ پاکستان میں اسلامی نظریاتی کونسل کے کام کی جتنی تعریف کی جائے وہ کم ہے لیکن ان کی سفارشات کو حکومتی سطح پر پذیرائی دلوانے کے لئے شاید وقت لگے گا۔ اسی ادارے کی فقہی آراء کو دیگر مسلم معاشروں میں قبول عام دلوانے کے لئے کام کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ تاکہ اجتماعی طرز عمل متعین کرنے میں مدد مل سکے۔

اجتماعی اجتہاد کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ''تلفیق'' کے اصولوں پر کام کرتا ہے۔ اس میں تمام فقہاء کے اجتہادات اور فرمودات سے یکساں استفادہ کیا جاتا ہے۔ زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ نقطہ نظر سامنے آئے

جوعصری تقاضوں کو بھی پورا کرے اور اُس میں پوری امت مسلمہ کی رہنمائی مقصود ہو۔

قواعد فقہیہ کے مطالعہ سے نفع بخش اور عظیم الشان اثرات مرتب ہوں گے۔ نئے پیش آمدہ مسائل کو منصوص مسائل پر قیاس کرنے اور تخریج مسائل کا سلیقہ آئے گا۔ اور یہ چیز اجتہاد کا وسیع باب ہے ان قواعد سے انسان میں فقہی ملکہ پروان چڑھتا ہے استدلال کی خاصیت پیدا ہوتی ہے۔ یہ علم اجتہاد کے دروازوں پر پہنچاتا ہے اور اجتہاد کی ان راہوں تک لے جاتا ہے جن پر مجتہدین امت گامزن تھے۔

ابن نجیم کا بھی یہی خیال ہے کہ ''ان قواعد کے ذریعہ فقیہ درجہ اجتہاد تک ترقی کر جاتا ہے''۔ (۳۰)

المختصر قواعد فقہیہ کا موضوع اجتہاد کے حوالے سے انتہائی معاون و مددگار ہے اس سے اجتہاد کو نہ صرف ایک قدم بلکہ چند قدم آگے بڑھایا جاسکتا ہے اور مطلوبہ مقاصد حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ شاطبی، ابواسحٰق، الموافقات، ج4 (کتاب الاجتہاد)، دارالفکر لطباعۃ والنشر والتوزیع، س ن۔

۲۔ فضل الرحمٰن، ڈاکٹر، اسلام اور جدیدیت (مترجم محمد کاظم) مکتبہ جدید پریس لاہور، 1998ء، ص30

۳۔ القرآن (سورۃ التوبۃ: 122)

۴۔ ابوداؤد، کتاب الاقضیہ، باب اجتہاد الرائی فی القضاء، دارالفکر لطباعۃ والنشر والتوزیع، س ن۔

یہ حدیث بخاری اور مسلم میں موجود نہیں ہے۔ ابن قیم اور ابن عربی کے نزدیک اگر روایتی اعتبار سے اسے ضعیف تسلیم کیا جائے تو درایتی اعتبار سے یہ ضعیف نہیں ہے۔

۵۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، ص95، 1996ء

۶۔ ایضاً، ص103

۷۔ (i) اکرم رانا، ڈاکٹر Hamdard Islamicus، بیت الحکمت، 1996ء، No.4، ص52

(ii) میکڈونلڈ Development of Muslim Theology، نیویارک، رسل اینڈ رسل، 1965ء، ص69

۸۔ العلوانی، طٰہٰ جابر، اصول فقہ اسلامی، قاضی پبلشرز، نئی دہلی، س ن ص100

پورا مکتوب اعلام الموقعین میں موجود ہے

۹۔ الشافعی، محمد بن ادریس، الرسالۃ، تحقیق و شرح احمد محمد شاکر، 1939ء، ص476

۱۰۔ العلوانی، طٰہ جابر، اصول فقہ اسلامی، ص16، انٹرنیشنل اسلامک انسٹی ٹیوٹ، ورجینیا، امریکہ، 1980ء

۱۱۔ ندوی، مولانا محمد حنیف، مسئلہ اجتہاد، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ص166

ہیکل، محمد حسین، عمر فاروق اعظمؓ، (ترجمہ حبیب اشعر) مکتبہ جدید میکلوڈ روڈ، لاہور، ص701

۱۲۔ مقالات شبلی، مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی، مطبع جنرل بائنڈنگ کارپوریشن پریس، 1989ء، ج1، ص23

۱۳۔ (i) خضری، اصول الفقہ، مطبع الرحمانیہ، س ن ص391

(ii) وھبہ الزحیلی، اصول الفقہ، ص61، بیروت، دار الفکر، 1994ء

۱۴۔ ایضاً، ص21

۱۵۔ جوینی، امام الحرمین، البرہان، فقرہ 711، دار العادر بیروت، س ن۔

۱۶۔ ابن حجر، الاصابۃ، ج4، ص112، مطبعۃ مصطفیٰ محمد، مصر، 1358ھ

۱۷۔ ولی اللہ، حجۃ البالغۃ، ج1، ص205، ناشر قدیمی کتب خانہ، مقابل آرام باغ، سن ندارد کراچی

۱۸۔ العلوانی، طہ جابر اصول فقہ اسلامی، ص28

۱۹۔ شاخت نے وضاحت کے ساتھ اس لقب کا ذکر کیا ہے

۲۰۔ الموافقات، المقاصد الشریعہ، دار الفکر، لطباعۃ والنشر والتوزیع، سن ندارد۔

۲۱۔ قاسمی، مجاہد الاسلام، عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل، ادارہ القرآن والعلوم السلامیہ، کراچی، ص43

۲۲۔ ایضاً، ص157

۲۳۔ جمال الدین عطیہ، فقہ اسلامی کی نظریہ سازی، ص224، قدیمی کتب خانہ، آرام باغ کراچی، 1980ء

۲۴۔ تقی امینی، اجتہاد، ص356، کتب خانہ قدیمی، کراچی، 1995ء

۲۵۔ ابن خلدون، مقدمہ، ص453

۲۶۔ جمال الدین عطیہ، فقہ اسلامی کی نظریہ سازی، ص16

۲۷۔ شاطبی، الموافقات، ج4، ص5

۲۸۔ (i) کرابیسی، کتاب الفروق، مقدمہ زنجانی، کتاب تخریج الفروع علی الاصول، مقدمہ

(ii) جوینی، کتاب السلسلہ

(iii) خضری، اصول الفقہ، ص 11

(iv) ابن نجیم، ص 40

۲۹۔ جمال الدین عطیہ، فقہ اسلامی کی نظریہ سازی، ص 85

اس کتاب میں مزید قواعد کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے

۳۰۔ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، ص 15